خانداني زندگی کا قرآنی اسلوب، سماجی میدان میں

"بین الادیان سماجي تعلقات"

ڈاکٹر محمد نعیم الدین الازھري*

خلاصہ:

انسان ایک سماجی اور معاشرتی مخلوق ہے، یعنی انسان صرف اور صرف سماج ہی میں زندگی گزار سکتا ہے، کیونکہ اس کی فطرت میں یہ ودیعت کی گئی ہے کہ وہ انسانی تعلقات کے ساتھ انسانوں کے ما بین بود و باش اختیار کرے۔ آپس میں اپنے تجربے اور کار آمد چیزوں کا تبادلہ کرے اور نفع بخش چیزوں میں ایک دوسرے سے تعاون بھی کرے کیونکہ سماج اور معاشرے اسی پر قائم و برقرار رہتے ہیں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں ترقی کی منزلیں طے کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں انسانی زندگی بہتر اور با معنی ہو جاتی ہے انسانی زندگی میں خوشحالی آجاتی ہے زندگی کے بہت سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں معاشرے کا توازن برقرار رہتا ہے ۔ زیر نظر مقالے میں مرکزی نکات کے ضمن میں سماجی زندگی کی تعریف اور دائرہ کار، قرآن مجید اور سماجی زندگی، اسلام اور ادیان عالم، بین الادیان رواداری کے روشن اسلامی اصول اور بین الادیان سماجی تعلقات کو قرآنی آیات کے تناظر میں بیان کرنے کی سعی کی ہے اس کے علاوہ قرآن و سنت کی روشنی میں بین المذاہب سماجی، معاشرتی اور خاندانی تعلقات کے ان آداب، حدود و قیود اور شرعی ضوابط پر کو احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے جن کے سلسلے میں قرآن نے موثر طریقے سے راہ نمائی فرمائی ہے۔

کلیدی الفاظ: انسان، سماجی تعلقات، ادیان، معاشرہ، قرانی تعلیمات

تمہید و تعارف موضوع

عصر حاضر میں امت مسلمہ لا تعداد مسائل اور چیلنجز کا سامنا کر رہی ہے۔ تمام مسلم ممالک میں اندرونی اور بیرونی خلفشار عروج پر ہے

* لیکچرار شعبہ عربی، دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ، ضلع سرگودھا

اندرونی سطح پر اہل اسلام مختلف فرقوں اور گروہوں میں منقسم ہیں۔ اس لسانی، گروہی، مذہبی، سیاسی اور فروعی تقسیم کی وجہ سے باہمی اتحاد واتفاق کا فقدان ہے، تو بیرونی سطح پر دشمنان اسلام دن بدن اہل اسلام کے گرد گھیرا تنگ کرتے چلے جارہے ہیں۔

ابتدائے اسلام میں بھی حضور نبی رحمت ﷺ اور آپکے صحابہ کو بڑے چیلنجز اور مشکلات کا سامنا تھا۔ مٹھی بھر مسلمان جب اسلام کی پہلی باقاعدہ ریاست مدینہ منورہ میں جمع ہوئے تو وہاں پر ایک مخلوط معاشرہ موجود تھا جس کو عصر حاضر میں "ملٹی کلچرل سوسائٹی" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بیرونی سطح پر کفار و مشرکین کے حملوں کا خطرہ ہر وقت سر پر منڈلا رہا تھا تو اندرونی سطح پر یہود و نصاریٰ اور مختلف قبائل و گروہوں کی باہمی چپقلش عروج پر تھی۔

ان حالات میں حضور نبی رحمت ﷺ نے وحی قرآنی کے ذریعے مسلمانوں کو ایسے روشن اصول عطا فرمائے جن کی روشنی میں مسلمان ان کثیر التعداد ثقافتوں اور ادیان میں رہتے ہوئے اس انداز میں ابھرے کہ دیکھتے ہی دیکھتے پورے ماحول پر چھاگئے اور کئی لاکھ مربع میل علاقہ ان کے زیر فرمان آگیا۔

قرآن کریم کے اصولوں کی روشنی میں آقائے نامدار ﷺ نے ریاست مدینہ کا پہلا تحریری دستور متعین فرمایا جس میں ۵۳ بنود تھے۔ اور جن میں یہ بتایا گیا تھا کہ آپ اپنے عقیدے اور شناخت کا تحفظ کرتے ہوئے دیگر ادیان کے ساتھ مل جل کر کیسے رہ سکتے ہیں کہ "پاسبان بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی"

یعنی آپ کے ایمان اور عقیدے پر بھی حرف نہ آئے اور معاشرے کا امن وامان بھی قائم رہے۔
زیر نظر مقالے میں ہم قرآن مجید میں مذکور بین الادیان سماجی تعلقات کے متعلق ایسے روشن اصولوں کو پیش کریں گے جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک مخلوط معاشرے میں امن وامان کا قیام ممکن ہو سکتا ہے۔

تین طرح کے نظریات:

بین الادیان سماجی تعلقات کے بارے میں ہمارے ہاں عام طور پر تین طرح کے تصورات پائے جاتے ہیں۔

موجودہ مغربی حکومتوں کا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بلا جواز اور بے سروپا پراپیگنڈا اور جارحانہ اقدامات دیکھ کر ایک طبقے کا خیال ہے کہ بین الادیان سماجی تعلقات کو فروغ دینے کے بجائے غیر مسلموں کو اس کا جواب اسی انداز میں دیا جائے۔ جس طرح کا سلوک وہ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے ہیں۔ اور اس کے لئے وہ ایمرجنسی جیسے حالات پیدا کرنے کی خاطر بعض قرآنی آیات کا سہارا لیکر انکے خلاف سخت گر موقف اپناتے ہیں۔

دوسرا گروہ یہ رائے رکھتا ہے کہ عصر حاضر میں مسلمان کمزور اور شکست خوردہ جبکہ امریکہ اور مغربی سامراجی قوتیں طاقت ور ہیں۔ انکے ساتھ مخالفت کا خطرہ مول لینے کے بجائے ان کی اطاعت اور دوستی کا رویہ اپنایا جائے۔ اور وہ جو بھی کہیں اور کریں اسے ماننا اور برداشت کرنا چاہیے۔

"لیکن علماء و محققین کا ایک گروہ ایسا ہے جو میانہ روی کا قائل ہے۔ کہ قرآن وسنت میں مسلمانوں کی کمزوری اور بتدریج قوت کے حصول کو مد نظر رکھا جائے۔ اور کسی بھی قسم کی مداہنت یا قرآن وسنت کے اصولوں پر سودا بازی کئے بغیر حکمت ودانش کو پیش نظر رکھتے ہوئے شائستگی اور وقار کے ساتھ تمام انسانی طبقات کے ساتھ تعلقات برقرار رکھے جائیں اور قرآن کریم کے روشن اصولوں کے مطابق تمام ادیان عالم سے انسانی جذبوں کے تحت سماجی تعلقات قائم کیے جائیں۔ اور دوسروں کی مخالفت کا منہ توڑ جواب دینے سے پہلے اپنی اندرونی کمزوریوں اور خامیوں پر قابو پایا جائے۔

مذکورہ بالا تینوں نقطہ ہائے نظر میں سے راقم الحروف کے نزدیک موخر الذکر موقف ونقطہ نظر ہی صائب اور قابل تقلید ہے۔ لہٰذا اسی موقف پر اب قرآن وسنت سے دلائل اور وہ اصول پیش کیے جاتے ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر دنیا میں مسلمانوں کے اندر مختلف فرقوں کے اختلافات کو ختم یا کم کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے اندر بھی باہمی مفاہمت کی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔

سماجی زندگی کی تعریف اور دائرہ کار

اردو زبان میں "سماج" سے مراد گروہ، جماعت، معاشرہ اور سوسائٹی کے ہیں۔ ایک معاشرے میں جب کچھ لوگ ایک ہی وقت اور زمانے میں پائے جائیں تو ان کے ایک ساتھ ملکر رہنے میں جو فضا تشکیل پاتی ہے اسی کو "سماج" کہتے ہیں۔[1]

اور سماجی تعلقات سے مراد یہی ہے کہ ایک ایسے معاشرے میں جہاں مختلف رنگ ونسل، مذاہب و مسالک اور مختلف مزاج کے لوگ آباد ہوں تو ان کے تمام تر اختلافات کے باوجود باہمی طور پر پرامن طریقے میں زندگی بسر کرنا۔ اور جنگ وجدال، نفرت وشدت پسندی سے گریز کرتے ہوئے معاشرے کی اکائیوں کو باہم متحد رکھنا۔

[1]۔ اردو ڈکشنری لفظ سماج ص ۱۲۱۳

قرآن مجید اور سماجی زندگی :

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے بڑے واضح انداز میں ایسے قواعد وضوابط مقرر فرمائے ہیں جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے سماجی تعلقات کو پر امن طریقے سے برقرار رکھنا اور معاشرے کو فتنوں اور بدامنی سے بچانا ممکن ہے۔

ا: تخلیق انسانیت میں وحدت واتحاد:

اللہ رب العزت نے قرآن کریم کے مختلف مقامات پر اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ تمام انسانوں کو ایک ہی نفس سے تخلیق کیا گیا ہے اور ان کی اصل اور جڑ ایک ہی ہے۔ جس کا واضح طور پر مطلب یہی ہے کہ تخلیقی اعتبار سے ان کی فطرت میں یہ رکھ دیا گیا ہے۔ کہ وہ باہم مل جل کر رہ سکتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ[۲]

"اور بے شک اللہ رب العزت نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا فرمایا پھر تمہیں رہنے کی جگہ اور ٹھکانا عطا فرمایا پس ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں اپنی آیات ان کے لئے جو سمجھتے ہیں۔"

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا[۳]

"اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا فرمایا پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا فرمایا اور پھر ان دونوں سے پھیلا دیے بہت سارے مرد اور عورتیں۔ پس ڈرو اللہ سے جس کے متعلق تم سے سوال کیے جائیں گے اور تمہارے نسبی قرابت داروں کے بارے میں بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔ "

پس ان آیات بینات کی روشنی میں تمام لوگ بحیثیت انسان مشترک ہیں اور اسلام نے تمام انسانیت کے لئے زندگی کا حق اور عزت کے ساتھ جینے کا حق بلا امتیاز مذہب ومسلک اور رنگ ونسل عطا فرمادیا ہے۔

تکریم انسانیت :

اس اعتبار سے یہ اصول بہت اہمیت کا حامل ہے۔ کہ اللہ رب العزت نے بنی آدم کو بحیثیت انسان ایک خاص تکریم عطا فرمائی ہے۔ اور یہ عزت و تکریم تمام انسانوں کے لئے مساوی ہے۔ چاہے وہ کسی بھی مسلک، قوم اور قبیلے یا گروہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا[1]

"اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت و تکریم بخشی اور ہم نے اس کو بحر و بر میں سکونت عطا فرمائی اور ہم نے اس کو پاکیزہ اور طیب رزق بخشا اور اپنی بہت ساری مخلوقات پر ہم نے اسے فضیلت اور برتری عطا فرمائی۔"

پس تمام انسان درجہ انسانیت میں یکساں ہیں اور ان کا ظاہری شکل و صورت، زبانوں اور طرز بود و باش میں اختلاف اللہ رب العزت کی تخلیق کی عظمت اور بو قلمونیوں کی دلیل ہے جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ[2]

"اور اللہ کی عظیم نشانیوں میں سے ہے زمین و آسمانوں کی تخلیق اور تمہاری زبانوں اور رنگوں میں اختلاف بے شک اس میں تمام علم والوں کے لئے نشانیاں ہیں"۔

ان آیات بینات سے پتہ چلا کہ رنگ و نسل، طبیعت و مزاج کے بہت سارے اختلافات ایسے ہیں جو فطری اور تخلیقی نوعیت کے ہیں جبکہ دور حاضر میں بعض لوگوں نے رائے کے اختلاف اور طبیعتوں میں موجود تنوع کو بھی مخالفت کی بنیاد بنالیا ہے۔ جو قرآن و سنت کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

ثوابت و متغیرات :

جب کسی مسئلے پر مختلف طبقات میں اختلاف پایا جائے۔ تو یہ ایک فطری عمل ہے۔ لیکن معاشرے میں بسنے والے لوگوں کو یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا اس اختلاف کا تعلق عقیدے کی بنیادوں کے ساتھ ہے یا یہ

---

[1]۔ سورۃ الاسراء، آیت ۷۰

[2]۔ سورۃ الروم آیت ۲۲

فروعی اور جزوی اختلاف ہے۔ کیونکہ دین اسلام کے اعتبار سے ثوابت و متغیرات کا حکم الگ الگ ہے۔ کچھ ایسے محکم اصول ہیں۔ جن کا حکم اللہ رب العزت نے بیان فرمادیا ہے اور اس میں تاقیام قیامت اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ جیسے اللہ کی وحدانیت اور ایمانی اصول و مبادی جن کو اسلام کے ماننے والوں کے لئے بیان کردیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰیَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ[1]

"وہی ہے جس نے نازل فرمائی آپ پر کتاب اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری آئتیں متشابہ ہیں پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے سو وہ پیروی کرتے ہیں (صرف) ان آیتوں کی جو متشابہہ ہیں قرآن سے (ان کا مقصد) فتنہ انگیزی اور (غلط) معنٰی کی تلاش ہے اور نہیں جانتا اس کے صحیح معنٰی کو بغیر اللہ تعالیٰ کے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم ایمان لائے ساتھ اس کے۔ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر عقلمند"۔

پس اللہ کریم نے قران میں محکم آیات بینات کے ذریعے دین کے اصولوں کو واضح فرمادیا ہے اور اپنے ماننے والوں پر یہ لازم فرمادیا ہے کہ وہ ان روشن اصولوں پر سختی سے عمل پیرا ہو جائیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ فروعی اور فطری اختلافات کی گنجائش کا بیان بھی فرمادیا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ساری انسانیت تمہارے نقطہ نظر سے متفق ہو جائے اور جیسا تم چاہو ویسا ہی سوچنے لگ جائے اور فکر و عمل کے اعتبار سے تمہارے تابع فرمان ہو جائے۔ بلکہ جس بھی معاشرے میں تم رہو گے وہاں تمہیں اختلاف کا سامنا بھی ہو گا تمہارے نقطہ نظر کو مسترد کرنے والے لوگ بھی موجود ہوں گے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ[2]

اور اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک رستہ پر ڈال دیتا، اور ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے۔

[1]۔ سورۃ آل عمران آیت ۷

[2]۔ سورۃ ھود آیت ۱۱۸

لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ انسان ہر اختلاف رائے رکھنے والے شخص کے ساتھ مقابلہ اور جنگ شروع کردے، بلکہ اس کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے نظریات کا ابلاغ پرامن طریقے سے کرے اور معاشرے میں فتنہ پھیلانے کا آغاز اپنی طرف سے بالکل نہ کرے اور اپنے دین کے مطابق زندگی گزارے لیکن دوسرے لوگوں کے ادیان اور آراء کا احترام ضرور کرے اس سلسلے میں سورت الکافروں کی یہ آیات ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے۔

قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۔ وَلَآ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُد لَكُمْ لكم دِيْنُكُمْ وَلِىَ دِيْنِ[1]

"کہہ دوا ے کافرو نہ تو میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں اور نہ تم ہی میرے معبود کی عبادت کرتے ہو اور نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کروگے تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔"

بین الادیان تعلقات کے روشن اسلامی اصول :

ان آیات بینات سے یہ اصول نکھر کر سامنے آجاتا ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کی تربیت ان بنیادوں پر فرمائی ہے کہ وہ اپنے مذہب پر کاربند رہیں۔ لیکن دوسرے مذاہب کے لوگوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں ان کو انسان سمجھتے ہوئے ان کے حقوق کو تسلیم کریں۔ ان کے ساتھ ڈائیلاگ میں نرمی اور تسامح کا پہلو پیش نظر رکھیں۔ اور ان کو دین کی طرف بلاتے ہوئے خیر خواہی اور بھلائی کے جذبات سے سرشار ہوں۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ[2]

"اپنے رب کے راستے کی طرف دانشمندی اور عمدہ نصیحت سے بلا، اور ان سے پسندیدہ طریقہ سے بحث کر، بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے، اور ہدایت یافتہ کو بھی خوب جانتا ہے۔"

[1] سورۃ الکافرون آیت ۱۔۷
[2] سورہ النحل آیت ۱۲۵

پس اس دعوت حسنہ کی بدولت اگر وہ اسلام کے دامن میں آجائیں تو بہت خوب، بصورت دیگر ان کو جبراً اسلام کی طرف لانے سے بھی منع کیا گیا، اور بتایا گیا کہ ایسی صورت میں ان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے عقائد پر باقی رہیں اور انکے تمام معاشرتی حقوق بھی محفوظ رہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ[1]

"دین میں کوئی جبر نہیں تحقیق ہدایت کا راستہ سرکشی کے راستے سے واضح ہو گیا۔ پس اب جس نے سرکشی سے توبہ کی اور اللہ پر ایمان لے آیا اور اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا جو اب ٹوٹنے والی نہیں بے شک اللہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔"

غیر مسلموں سے تعلقات کی حدود و قیود:

مذکورہ بالا آیات قرانیہ کی روشنی میں یہ تو واضح ہو گیا کہ ایک معاشرے میں دیگر مختلف مذاہب و ادیان کے لوگوں کے ساتھ رہنا اور معاشرتی تعلقات قائم کرنا شریعت کی حدود میں جائز ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ انسان کسی ایسے شخص کے ساتھ مالی و معاشرتی معاملات کرے۔ جو دینی اعتقاد میں اس کا ہم نوا نہ ہو لیکن قران میں اس کی کچھ شرائط اور حدود و قیود بھی بیان فرمادی گئی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

غیر مسلم گستاخ یا آمادہ جنگ نہ ہو:

شریعت مطہرہ نے غیر مسلم کے ساتھ سماجی تعلقات کے لئے یہ ضروری شرط مقرر کی ہے کہ وہ دین اسلام کے مقدسات یا کسی بھی سماوی دین کے معتقدات کا گستاخ نہ ہو اور نہ ہی وہ اھل اسلام کے ساتھ بر سر پیکار ہو۔ کیونکہ جنگ کی صورت میں تو اپنا دفاع کرنے اور دشمنان اسلام سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ لوگ جو دن رات مسلمانوں کو قتل کرنے میں مشغول ہوں اور نبی پاک ﷺ کے متعلق غلط نظریات کا پرچار کریں اور گستاخی کے مرتکب ہوں ایسے بد باطن اور گستاخ افراد کے لئے تو شریعت نے سخت سزا تجویز کی ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور دوستی لگانے سے شدت کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] سورہ البقرۃ آیت ۲۵۶

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّه مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ[1]

"اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو کوئی تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے تو وہ انہیں سے ہے، اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔"

ان آیات کے حکم کے عموم میں ہر وہ شخص شامل ہے۔ جو دشمن اسلام ہو اور ظاہری اور باطنی وسائل سے اہل اسلام کو اذیت پہنچانے یا ناکام کرنے پر تلا ہوا ہو۔ ایسے لوگوں سے سماجی، معاشرتی، اخلاقی، اقتصادی ہر طرح کے تعلقات رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن وہ یہود و نصاریٰ یا دیگر غیر مسلم جو (سٹیٹ آف وار) میں نہ ہوں اور نہ ہی گستاخی اور اذیت کے مرتکب ہو رہے ہوں بلکہ پر امن طریقے سے زندگی بسر کر رہے ہوں اور مسلمانوں کے حقوق کی پاسداری کریں۔ ان کے بارے میں شریعت کا یہ حکم واضح ہے۔ ارشاد فرمایا:

لَّا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ[2]

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں (غیر مسلم) لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے منع فرمایا جو دینی امور میں تم سے جنگ نہ کریں۔ اور تمہیں تمہارے گھروں سے بے گھر نہ کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رقم طراز ہیں کہ بے شک اللہ کریم تمہیں ان کفار اور غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے منع نہیں فرماتا جو تم سے بر سر پیکار نہیں ہوتے۔ اور تمہیں بے گھر کرنے کے لئے کوشاں نہیں بلکہ پر امن شہری ہیں۔ تم بے شک ان کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرو۔[3]

اسی طرح امام شرف الدین نووی لکھتے ہیں:

[1]۔ سورۃ المائدہ آیت ۵۱

[2]۔ سورۃ الممتحنۃ آیت ۸

[3]- تفسیر ابن کثیر ابن کثیر الدمشقی ج۴ ص۴۴۶ دارالکتب العلمیہ بیروت

اگر کسی نے کسی غیر مسلم یہودی، عیسائی، مجوسی یا فاسق کو صدقہ دیا تو یہ جائز ہے اور اسپر اسے اجر بھی ملے گا اور اس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا[1]

اللہ کے بندوں کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں، اور قیدیوں، اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں، یہاں "اسیر" سے مراد غیر مسلم قیدی ہی ہے۔ لہٰذا اس کا خیال رکھنے اور اس کو کھانا کھلانے کا حکم دیا جارہا ہے۔

اسی طرح اسلام اور نبی اسلام ﷺ نے دارالاسلام میں رہنے والے غیر مسلم "ذمی" کے حقوق کا خیال رکھنے اور اس کو مکمل آزادی دینے کا حکم دیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَد مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا[2]

جس شخص نے کسی "ذمی" کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔ جب کہ جنت کی خوشبو تو چالیس سال سفر کی مسافت سے بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔

یعنی غیر مسلموں سے امن وامان کا معاہدہ کرنے کے بعد (پر امن) غیر مسلم ذمی کو قتل کرنے والا جنت کے قریب بھی نہیں پھٹک سکے گا۔

اسی طرح دیگر بہت سی احادیث میں حضور نبی رحمت ﷺ نے ایک انسان کی جان کو کعبۃ اللہ سے بھی افضل قرار دیا اور فرمایا کہ دین ومذہب سے بالاتر ہو کر ہر ذی روح کے حقوق کا خیال رکھا جائے اور اس کے مال وجان کی حفاظت کی جائے۔

راہنمایان مذہب میں مقابلہ بازی سے اجتناب :

اسی طرح اسلام میں ایک ایسے معاشرے کا امن ومان قائم رکھنے کے لئے جہاں بہت سارے ادیان کے ماننے والے آباد ہوں یہ اصول بھی عطا فرمایا کہ تمام انبیاء کی عظمت کو تسلیم کیا جائے۔ اور ان کے مراتب کو مانا جائے ان کے مراتب میں اللہ رب العزت کے ہاں اگرچہ فضیلت ودرجہ بندی موجود ہے۔ لیکن نفس

[1]۔ سورۃ الدھر آیت ۷

[2]۔ صحیح بخاری ، امام مُحَمَّد بن اسماعیل البخاری عن عبدالله بن عمروبن العاص حدیث ۳۱۶۶

نبوت میں سب برابر ہیں۔ سب کو تسلیم کیا جائے اور تفاضل سے اجتناب کیا جائے تاکہ معاشرے میں امن و سکون برقرار رہ سکے۔ارشاد گرامی ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ[1]

" یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔"

انبیاء کرام ایک ہی خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کی دعوت دیتے رہے ہیں لہٰذا ان میں فرق نہ کیا جائے۔اس کی مزید وضاحت حضور ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں فرمادیا۔

عن ابن عباس:ماينبغى لعبد أن يقول: إنني خير من يونس بن متى[2]

"کسی شخص کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ یوں کہے کہ میں یونس علیہ السلام سے بہتر ہوں۔

دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو برا بھلا کہنے سے اجتناب :

یہ بھی ایک اصولی موقف ہے۔ ہر عمل کا ایک رد عمل ہوتا ہے اس لئے قرآن کریم میں اہل اسلام کی تربیت یوں کی گئی کہ وہ کسی بھی مذہب کے مقدسات کا برے الفاظ سے ذکر نہ کریں۔ کیونکہ اس سے نفرت، غصہ اور پھر جنگ وجدال کی فضا قائم ہو گی۔اس لئے ہدایت دی کہ :

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ[3]

"جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں تم انہیں گالی مت دو۔ کہ وہ لاعلمی و دشمنی میں اللہ کو گالی دے دیں گے۔

لہٰذا پُر امن سماجی تعلقات کے لئے یہ اصول ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کے معتقدات کو گالی اور طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنایا جائے تو یوں معاشرے کا امن وامان بحال رہے گا۔

---

[1]۔ سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۳

[2]۔ مختصر صحیح البخاری محمد بن اسماعیل کتاب احادیث الانبیاء ص۶۷۵ مکتبہ دارالسلام ریاض سعودی عرب

[3]۔ سورۃ الانعام آیت ۱۰۸

میل جول اور نکاح کی اجازت و شرائط :

دیگر ادیان کے ساتھ سماجی تعلقات رکھنے کی اجازت کو اس آیت کریمہ میں قرآن نے مزید مشروط فرما دیا، ارشاد ہوتا ہے:

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ[1]

" آج تمہارے واسطے سب پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں، اور اہل کتاب کا کھانا تمہیں حلال ہے اور تمہارا کھانا انہیں حلال ہے، اور (تمہارے لیے حلال ہیں (پاک دامن مسلمان عورتیں اور ان پاک دامن عورتوں میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے جب کہ ان کے مہر انہیں دے دو ایسے حال میں کہ نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے، اور جو ایمان سے منکر ہوا تو اس کی محنت ضائع ہوئی اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

اہل کتاب کے ساتھ ملکر کھانے پینے کو جائز قرار دے دیا، اگرچہ بعض میں فقہاء کرام نے اس میں بھی احتیاط کا حکم دیا ہے کیونکہ اہل کتاب کے عقائد و نظریات بھی اپنی اصل حالت میں باقی نہیں رہے۔ لیکن قرآن کریم کی اس آیت کے عموم میں بہر حال اجازت موجود ہے۔

اسی طرح اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کی اجازت عطا فرمادی، لیکن مسلمان عورتوں کو ان کے مردوں سے شادی کی ممانعت فرمادی، اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ غیر مسلم عورت جب مسلمان مرد کے گھر میں آئے گی تو اس کے تمام معتقدات اور اسکے نبی کا ذکر ادب واحترام سے ہو گا، تو زندگی کی گاڑی چلتی رہے گی۔ لیکن مسلمان عورت اگر ان کے گھر میں بیاہ دی گئی۔ تو اسکو وہاں نبی اسلام حضرت محمد ﷺ کا ذکر درست انداز میں نہیں ملے گا، اس لئے نباہ ممکن نہیں ہو گا اسی طرح مشرکین کی عورت سے اور مردوں سے نکاح اور ازدواجی تعلقات قائم کرنے سے بھی سختی سے منع فرمادیا گیا۔

ارشاد فرمایا:

---

[1] ۔ المائدہ، آیت ۵

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ [1]

"اور عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان مرد غلام بہتر ہے کافر مرد سے گو وہ تم کو اچھا ہی معلوم ہو۔ "

کتب مقدسہ کا احترام :

اللہ رب العزت اور رسول اسلام ﷺ نے تمام مقدس کتابوں کے احترام کا درس دیا کیونکہ جس طرح ہمیں قرآن کریم عزیز ہے اسی طرح تمام دیگر مذاہب کو اپنی اپنی مقدس کتاب عزیز ہے۔ اگرچہ تحریف شدہ ہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ اِنَّه لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ [2]

"اگلے نبیوں کی کتابوں میں بھی اس قرآن کا تذکرہ ہے۔"

عبادت گاہوں کا احترام :

اسلام نے ہمیں دیگر مذاہب وادیان کی عبادت گاہوں کے احترام کا درس دیا ہے خواہ وہ کلیسا ہو، گرجا ہو یا مندر ہو قرآن کریم نے عبادت گاہوں میں تفریق نہیں فرمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوَاتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُه اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ [3]

"اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے (کے ہاتھ سے) زور گھٹواتا رہتا تو (اپنے اپنے زمانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت

---

[1] ۔ سورہ البقرہ آیت ۲۲۱

[2] ۔ سورۃ البقرہ ۱۹۶

[3] ۔ سورہ الحج ۴۰

لیا جاتا ہے۔ وہ منہدم ہو گئے ہوتے اور بے شک اللہ اسکی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا۔"

جس طرح ہمیں دیگر تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کے احترام کا درس دیا گیا ہے اسی طرح ہمیں مسلمانوں کے اندر موجود مختلف فرقوں کی عبادت گاہوں اور مقدس مقامات کا احترام کرنا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا[1]

"اور جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہیں سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہ کرو۔"

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب بیت المقدس فتح کیا اور بحیثیت فاتح وہاں داخل ہوئے تو نماز کا وقت ہو گیا اور آپ نے نماز ادا فرمانا چاہی۔ وہاں کے عیسائی راہبوں نے کہا کہ آپ ہمارے کلیسے میں نماز ادا فرما لیں آپ نے ان کے کہنے کے باوجود باہر نماز ادا فرمائی اور فرمایا کہ میں نے اس خدشے کے پیش نظر یہاں نماز نہیں پڑھی کہ کہیں مسلمان اس کو متبرک سمجھ کر اس کو مسجد بنانے کے خیال سے بعد میں منہدم نہ کر دیں۔

اسی طرح اسلام نے ہمیں دیگر ادیان و مذاہب کے ساتھ معاہدات کی پاسداری کرنے اور عدل و انصاف کے ساتھ تمام معاملات میں پیش ہونے کا درس دیا ہے اور سماجی تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے بحث و مباحثہ اور تکرار کے بھی اصول وضع فرما دیے ہیں۔

بحث و مباحثہ اور اختلاف رائے کے اصول :

لغوی و اصطلاحی اعتبار سے اختلاف اور مخالفت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ عربی زبان میں اس فرق کو اختلاف اور خلاف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ابو البقاء الکفوی عربی کے مشہور اہل لغت اور ادیب ہیں وہ اپنی کلیات میں فرماتے ہیں:

الاختلاف : هو أن يكون الطريق مختلفاً والمقصود واحداً
والخلاف: أن يكون كلاهما مختلفين ، فالاختلاف رحمة والخلاف من آثار البدعة

[1]۔ سورہ جن آیت ۱۸

اختلاف کا معنٰی یہ ہے کہ راستے مختلف ہوں لیکن منزل ایک ہو جبکہ مخالفت یہ ہے کہ راستے بھی جدا جدا ہوں اور منزل بھی الگ ہو پس اختلاف رحمۃ جبکہ مخالفت بدعت کے اثرات میں سے ہے۔

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح لیل و نہار میں، رنگوں میں، طبائع میں اختلاف ہے اس طرح سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں اور آراء و نقطہ ہائے نظر میں بھی اختلاف ایک فطری امر ہے لیکن اس اختلاف کو مخالفت بنالینا، ذاتی اناء کا مسئلہ بنالینا اور دشمنی پر اتر آنا درست عمل نہیں۔

قرآن کریم کی یہ آیات بھی اس ضمن میں قابل توجہ ہیں۔-

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ[1]

"اے محبوب بلایئے لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت کے ساتھ اور ان سے بحث اس انداز سے کیجیے جو بڑا پسندیدہ اور شائستہ ہو۔"

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ[2]

برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے۔ پس ناگہاں وہ شخص تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون کو جب فرعون کی طرف دعوت حق دینے بھیجا تو حکم فرمایا گیا:

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ[3]

اور گفتگو کرے اس کے ساتھ نرم انداز سے شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔

ایک اور مقام پر ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں فرمایا گیا:

---

[1]۔ سورہ نحل، آیت ۱۲۵

[2]۔ سورہ فصلت، آیت ۳۴

[3]۔ سورہ طہٰ، آیت ۴۴

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ[1]

پس صرف آپ اللہ کی رحمت سے نرم ہو گے ہیں ان کے لئے اور اگر ہوتے آپ تند مزاج سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے آس پاس سے۔ تو آپ در گزر فرمایئے ان سے اور بخشش طلب کیجئے۔

ان کے لئے اور صلاح اور مشورہ کیجئے ان سے ان قوم میں اور جب آپ ارادہ کر لیں (کسی بات کا) پھر توکل کرو اللہ پر"۔

ان تمام آیات بینات میں اسی بات پر زور دیا گیا ہے کہ اگر کسی بات پر کسی کو اختلاف ہو بھی جائے تو اس کو بڑے ادب کے ساتھ نبھائے اور اپنے اختلافات کو بڑھانے کے بجائے رواداری اور محبتوں کو فروغ دیا جائے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات اس قسم کے احکامات و واقعات سے بھری پڑی ہیں۔

سماجی تعلقات کے لیے اختلاف رائے کے چند رہنما اصول و ضوابط :

اختلاف خصلت ہے عیب نہیں:

پہلے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی سوچ اور طرز فکر کو بدلے اور یہ جان لے کہ اختلاف کرنا کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ یہ تو ایک خصلت اور خوبی ہے اگر اس کے آداب ملحوظ رکھے جائیں۔

ہر گھر میں خاوند اور بیوی کے درمیان، باپ اور بیٹے کے درمیان، دوستوں کے درمیان طرز فکر میں یکسانیت نہیں ہوتی بلکہ بہت سارے معاملات میں اختلافات جنم لیتے رہتے ہیں لیکن ان اختلافات کا یہ مطلب نہیں کہ گھر کے سکون کو برباد کر دیا جائے۔ دوستوں کی محفلوں کو لڑائیوں میں بدل دیا جائے۔ بلکہ ان اختلافات کو خصلت شمار کرتے ہوئے ان کا حل نکالنا ضروری ہوتا ہے اور دو اختلاف کرنے والے مل بیٹھ کر باہمی اختلافات پر غور و فکر کریں تو بہت جلد ایسے بہت سارے حل سامنے آجاتے ہیں جن سے زندگی گل و گلزار بن جاتی ہے۔

[1]۔ سورہ نحل، آیت ۱۵۹

مدمقابل کی خوبیوں اور غلطیوں کو موازنہ کرو :

بین الادیان سماجی تعلقات میں اختلاف رائے کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے ہمیں یہ اصول بھی سیرت النبی ﷺ سے میسر آتا ہے کہ اگر کسی سے اختلاف ہو جائے تو ایک دو باتوں پر اختلاف کی وجہ سے اس کو مکمل دھتکار نہ دو۔ بلکہ پہلے اس کی خوبیوں، احسانات، بھلائیوں اور غلطیوں کا وزن کرو۔ خوب جانچ تول کر واور دیکھو کہ اس شخص کی کچھ خوبیاں اور اچھائیاں بھی ہیں یا نہیں۔ جب تمہارا دھیان اس کی شخصیت کے مثبت پہلوؤں کی طرف جائے گا تو تمہارا غصہ اور جلال جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا اور تم صحیح فیصلہ کر پاؤ گے۔

غزوہ بدر جو کفر واسلام کیا اور حق و باطل کی پہلی جنگ تھی اس میں مشرکین مکہ کی صفوں میں حضور سید عالم ﷺ کے داماد حضرت ابوالعاص بن ربیع بھی شامل تھے جو اب تک حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے وہ بھی کفار کے ساتھ آ گئے تھے، فتح و نصرت کے بعد وہ بھی قیدیوں میں شامل ہوئے تو حضور ﷺ نے اعلان فرمایا کہ اتنا فدیہ دے کر قیدی رہا ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابوالعاص نے اپنے فدیے کے طور پر وہ ہار پیش کیا جو حضور کی وفادار زوجہ سیدہ خدیجہؓ نے اپنی بیٹی سیدہ زینبؓ کو شادی کے وقت پہنچایا تھا، حضور ﷺ اسے دیکھ کر زار و قطار رونے لگے اور آپ نے وہ ہار بھی واپس کر دیا اور انہیں بھی رہا کر دیا ۔[1]

اب ذرا چشم تصور میں دیکھیے اور غور کیجیے کہ ابوالعاص تو جنگ کرنے والوں کے ساتھ آ گئے تھے۔ اور مخالف صفوں میں کھڑے تھے اس سے بڑھ کر اختلاف اور کیا ہو سکتا ہے لیکن اس موقع پر حضور سید عالم ﷺ نے ان کی اچھائیوں اور خصلتوں کو بھی پیش نظر رکھا۔ اور ان کے حق میں یہ جملہ ارشاد فرمایا:

والله ما ذممناه صهراً [2]

کہ اگرچہ اب یہ دشمنوں کی صفوں میں شامل ہو کر کسی مجبوری کی وجہ سے آگے آ گئے ہیں لیکن ہم نے آج تک انہیں بطور داماد اس کی طرز عمل میں کوئی جھول اور قابل مذمت چیز نہیں دیکھی بلکہ بڑا اچھا اور ذمہ دار انسان ہے۔ حضور ﷺ کی طرف سے اس کی کرم فرمائی اور دلجوئی کے سبب حضرت ابوالعاص واپس مکہ پہنچے ۔ اور اپنی زوجہ حضرت زینبؓ کو ساتھ لے کر مدینہ حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے ۔

---

[1]۔ رواہ ابو داود فی سننہ فی الطھارۃ، باب فی المتیمم یجد الماء بعد ما یُصلی فی الوقت، برقم: ۳۳۸، واللّفظ لہ، ونحوہ النّسائی فی الغسل والتیمم، باب التیمم لمن یجد الماء بعد الصلاۃ، (۱/۲۱۳) .

[2]۔ بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ما ذکر من درع النبی : ۳۱۱۰

تو اختلاف رائے کی جتنی بھی شدت ہو جائے، اپنی آنکھوں پہ تعصب کی پٹی کبھی نہ باندھیے۔ بلکہ دوسرے لوگوں کی فضیلتوں، علمی کمالات، خدمات، اور خصلتوں کا اعتراف کھلے دل سے کیجئے اور اختلاف کے بعد کبھی دوبارہ ملنے کی گنجائش رہنے دیجئے۔ عین ممکن ہے کل زندگی کے کسی موڑ پر پھر آپ کو اس کے ساتھ جمع ہونا پڑے اور پھر نگاہیں شرم سے جھک رہی ہوں -

کوئی مشترکہ وصف یا باہمی دلچسپی تلاش کرو:

اختلاف رائے اور رنجش کی تلخیاں کم کرنے کے لئے جو اصول ہمیں پیارے آقا و مولیٰ ﷺ کی سیرت طیبہ سے ملتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس سے اختلاف شدید ہو جائے اور تم پھر سے تعلقات بحال کرنا چاہو تو اپنے مدمقابل کی شخصیت کا کوئی ایسا وصف اور دلچسپی تلاش کرو جو تمہیں بھی پسند ہو اور تمہیں اس کے قریب کر دے۔

اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کے ساتھ ہونیوالی تلخیاں کم کرنے کے کے لئے یہ نسخہ بڑا کار آمد ہے۔ مشترکہ دلچسپی کی بات آج یورپ کے مشہور ماہرین بھی اپنی کتابوں میں کرتے ہیں لیکن یہ راہنما اصول ہمارے پیارے آقا ﷺ نے بہت پہلے ہی اپنے عمل سے ثابت فرما دیئے۔

صحیح بخاری کي حدیث پاک ہے کہ " عمرو بن شرید" جو ایک صحابی رسول کے فرزند تھے اور شعر و سخن کی طرف زیادہ مائل تھے ان کی دلچسپی مفید امور کی طرف کرنے کے لئے حضور سید عالم ﷺ نے ان کو براہ راست شعر و سخن میں زیادہ انہماک سے منع نہیں فرمایا بلکہ پہلے پہلے ان کو اپنے ساتھ ایک سواری پر بٹھایا اور سفر کے دوران ان سے مختلف عرب شعراء کے تقریباً ایک سو اشعار سماعت فرمائے۔ اور ان کی دلچسپی میں بھرپور شرکت فرمائی اور جب ان سے اشعار سننے کے سبب ایک اعتماد اور باہمی قرب پیدا ہو گیا تب آپ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ یہ سب اشعار فانی اور بے سود ہیں حقیقی فائدہ تو اللہ کی محبت اور قرب میں ہے۔ اور آپ ﷺ کا یہ فرمان ان کے لئے بڑا اکسیر اور مفید ثابت ہوا اور وہ راہ راست پر گامزن ہو گئے۔[1]

اسی طرح ایک مرتبہ حضور ﷺ نے مشرکین مکہ اور قریش کے متعلق فرمایا جن کے ساتھ اختلاف اور تنازعہ اپنی حدوں کو چھو رہا تھا۔

لو دعتنی قریش لحلف الفضول لأجبت

[1] مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل فاطمۃ ۲۴۴۹ .

اگر قریش مجھے "حلف الفضول" صلح جوئی اور چیرٹی ورک کی دعوت دیں تو تمام تر اختلافات کے باوجود میں ان کی پکار پر لبیک کہوں گا۔[1]

یعنی اگرچہ دینی و اصولی اختلافات موجود ہیں لیکن خیر کے کام کی دعوت اگر وہ بھی مجھے دیں تو معاشرے کی بہتری کے لئے میں ان کی مدد کروں گا۔ ہر داعی اور مبلغ کی سوچ اور فکر میں یہ وسعت اور اعتدال ہونا چاہئے جس کا درس ہمیں حضور سید عالم ﷺ کی سیرت سے ملتا ہے۔

سفر ہجرت میں جب کفار و مشرکین آپ کی جان کے دشمن بنے ہوئے تھے اور ہر طرف آپ کی تلاش جاری تھی آپ نے مکہ سے مدینہ کے سفر میں بطور گائیڈ ایک ایسے شخص (عبداللہ بن اُریقط) کا انتخاب فرمایا جو مسلمان نہیں تھا بلکہ مشرک تھا۔ لیکن اس سے قبل کسی تجارتی سفر میں حضور ﷺ اس کی سچائی، معاملہ فہمی اور قول کی پختگی کو آزما چکے تھے۔ لہٰذا دینی اختلاف ہونے کے باوجود اتنے نازک سفر میں اس کو اجرت دے کر ان سے یہ خدمت لی گئی۔[2]

لہٰذا انسانی مشترکات اور اقدار کے ناطے انسان کو کبھی ایسے ماحول سے بھی واسطہ پڑ جاتا ہے جہاں مسلمان کے بجائے غیر مسلم لوگوں سے سامنا ہوتا ہے۔ وہاں ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہیے یہ سیرت النبی ﷺ میں مذکور ہے۔ جبکہ ہمارے کچھ کرم فرما ایسے ہیں جو مسلمان اور کلمہ گو لوگوں پر لٹھ لئے ان کے درپے آزار ہیں -

اختلاف کرو لیکن دوسروں کی بربادی اور رسوائی نہ چاہو:

یہ بھی اختلاف رائے کے لئے ایک راہنما اصول اور ادب ہے کہ اگر تمہارا کسی کے ساتھ اختلاف ہو جائے تو یہ ایک فطری عمل ہے۔ اس دنیا میں ہر شخص کے سوچنے سمجھنے اور زندگی گزارنے کا انداز دوسروں سے مختلف ہے، اختلاف لیل ونہار، رنگوں، موسموں، طبیعتوں کا مختلف ہونا حسن کی علامت ہے۔ اس طرح آراء کا اختلاف بھی اختلاف تنوع ہے۔ اختلاف تضاد نہیں ہے اور اسی تنوع سے کائنات میں رنگینی ہے۔ اختلاف ہو جائے تو ضرور اپنے رائے کا بھرم قائم رکھو اگر تم حق پر ہو لیکن کسی کی بربادی ور سوائی نہ چاہو۔ جیو لیکن دوسروں کو جینے دو۔ اپنی لائٹ جلانے کے لئے دوسروں کی لائٹیں بجھانا ضروری تو نہیں اس لئے اختلاف کرو مگر رحمت اور ادب کے ساتھ تم تو دوسروں سے زندہ رہنے اور سامنے آنے کا حق تک چھین لینا

[1] اخرجہ مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء، (۱۰۹۱/۲)، برقم: (۱۴۶۹) .
[2] مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، ۲۲۵۵ .

چاہتے ہو۔ تم چاہتے ہو صرف میرا شملہ اونچا رہے۔ باقی میرے زر خرید غلام بن جائیں۔ یہ شدت یہ رعونت کہیں تکبر غرور اور شیطینت کی علامت نہ ہو۔ جھک جاؤ اپنے رب کی بارگاہ میں اور اپنے معاملات پر نظر ثانی ضرور کرو یہ ہم میں سے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا کہ شاہین کی طرح ہو جاؤ جب اس پر کوے حملہ آور ہوتے ہیں اور فضا میں اس پر دھاوا بولتے ہیں تو وہ ان سے الجھنے کے بجائے اپنی پرواز بلند کر لیتا ہے اور اس کی بلند پروازی کووں کو ان کے ارادوں میں ناکام بنا دیتی ہے۔

سہیل بن عمرو عرب کا مشہور خطیب اور بڑا فصیح اللسان تھا وہ کبھی جوش خطابت میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف بڑی سخت باتیں کیا کرتا تھا۔ جنگ بدر میں قیدیوں کے اندر وہ بھی شامل تھا حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ سے اجازت طلب کرنا چاہی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کے دانت توڑ دوں تاکہ اگر دوبارہ اسلام کے خلاف بات کرے تو لوگ اس پر ہنسا کریں اور یہ خاموش ہو جائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> لا عمر ! لعله يقف موقفاً تحمده عليه[1]
>
> نہیں نہیں اے عمر ایسا نہ کرو شاید یہ کسی دن ایسی بات کرے اور ایسا موقف اختیار کرے کہ تمہیں بھی اسکی تعریف کرنی پڑے۔

یہ بات گزر گئی حضور ﷺ کا وصال ہوا اور جب لوگ اچانک مرتد ہونا شروع ہو گئے تو قریش مکہ میں سے جو تازہ اسلام لائے تھے انہوں نے بھی اسلام سے پھر جانے کا ارادہ کیا تو سہیل بن عمرو نے ان سے کہا:

> يا أهل مكة ! كنتم آخر من أسلم فلا تكونوا أول ارتدّ فضحك عليكم العرب
>
> اے مکہ والو! ایسا نہ کرو تم اسلام لانے میں سب سے آخری تھے اب مرتد ہونے میں پہل نہ کرو کہ عرب تمہارا مذاق اڑانے لگیں۔

سہیل بن عمرو کے اس جملے نے قریش مکہ کو اسلام پر ثابت قدم کر دیا اور حضرت عمر وہ دن یاد کر کے روتے تھے اور کہتے تھے کہ حضور ﷺ نے سچ فرمایا تھا کہ سہیل بن عمرو کا یہ جملہ سب اختلافات پر بازی لے گیا ہے۔

حضور نبی رحمت ﷺ نے مشرکین و کفار مکہ کو دعوت اسلام دی تو پورے اخلاص کے ساتھ پھر ان کی بہت سی جنگوں میں شرکت فرمائی جہاد و قتال بھی کیا۔ لیکن کبھی انسانیت سے نفرت نہ فرمائی اور نہ ہی

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۲ ص ۳۵۵، طبع بیروت ۱۹۹۶۔

نفرت کا درس دیا اگر آپ ﷺ نعوذ باللہ نفرت فرماتے تو کبھی بھی خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور عکرمہ بن ابی جہل اور حضرت حمزہ کو شہید کرنے والے حبشی جیسے لوگ اسلام قبول نہ کر پاتے اور اس نور اسلام سے دور ہی رہے آپ نے اختلاف کیا مخالفت نہیں کی۔ آج ہمارے بہت سے کلمہ گو اور اسلام کے ماننے والے علماء کی صفوں میں موجود لوگ نفرت کے بیوپاری بن گے ہیں۔ وہ دشمنی پر اتر آئے ہیں اور اہلسنت والجماعت کی جگ ہنسائی کا سامان بن رہے ہیں ایسے لوگوں کو سیرت النبی ﷺ کے ان دروس سے سبق حاصل کرنا چاہیے .

دوسروں کی خدمات کا اعتراف:

اختلافات کے باوجود ایک مسلمان ہونیکی حیثیت سے اپنے علاوہ دیگر لوگوں اور جماعتوں کی خدمات اور مثبت پہلووں کا اعتراف کرنا چاہئے۔ حضور ﷺ نے خانہ کعبہ کے چابی بردار عثمان بن طلحہ سے اختلاف ہونے کے باوجود فتح مکہ کے موقع پر اس کی اس خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے خانہ کعبہ کی چابی تاقیام قیامت اس کو اور اس کی نسل کو عطا فرمادی، آپ نے ان کو فرمایا: **"خذاها خالدة تالدة لا ينزعها يا بني أبي طلحة منكم إلا ظالم"**[1] اور کسی بھی اختلاف کو خدمات کے اعتراف میں رکاوٹ نہ بننے دیا۔ آج ہمارے ہاں لوگ یہ سمجھ کر زندگی گزارتے ہیں کہ جو میرے ساتھ نہیں وہ میرے مخالف ہیں۔ جبکہ یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جو آپ کے نقطہ نظر سے اعتراف نہیں کرتا وہ آپکے مخالف بھی ہو۔

حضور ﷺ نے ایک حدیث پاک میں جب اپنی ختم نبوت کا بیان فرمایا تو بڑے ہی حسین انداز میں فرمایا "میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے گھر بنایا اور اس کو بہت عمدہ تیار کیا صرف ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ لوگ اس محل کی بڑی تعریف کرتے لیکن کہتے کہ یہ اینٹ بھی لگادی جاتی تو یہ مکمل ہو جاتا۔ ہاں ہاں قصر نبوت میں وہ آخری اینٹ میں ہوں میں خاتم النبیین ﷺ ہوں"[2]۔

اس حدیث میں بڑی وضاحت اور خوبصورتی سے جہاں حضور سید عالم ﷺ نے اپنی ختم نبوت کو ظاہر فرمایا اسی طرح آپ ﷺ نے بہت بڑا سبق یہ بھی دیا کہ میں کوئی نیا دین لے کر نہیں آیا۔ میں پہلوں کا انکار کرنے نہیں آیا۔ یا پہلے تعمیر شدہ گھر کو گرا کر اپنی کوئی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے نہیں آیا بلکہ میں پہلے

[1]۔ الإصابة في تمييز الصحابة، جلد ۴، ص۔ ۱۵

[2]۔ الصالحہ الشامي: سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، تحقيق عادل عبد الموجود وعلى معوض، دار الكتب العلمية - بيروت، ۲۵۰/۵.

تسلسل کی تکمیل ہوں۔ اپنے سے پہلے آنے والوں کی خدمات کا اعتراف کرتا ہوں اور میں اسی محل کی ایک اینٹ کی مانند ہوں۔

گویا امت کے لئے یہ سبق دیا کہ سب کچھ اپنے آپ کو نہ سمجھ لینا کہ تمہیں اپنے علاوہ کوئی نظر ہی نہ آئے۔ بلکہ اپنے ساتھ موجود باقی مسلمان بھائیوں، علماء مشائخ اور اہل علم کا اعتراف کرنا، انہی کے اندر اپنی جگہ بناؤ اور معاشرے کے ایک صالح فرد بنو۔ یہ جو اپنی اپنی ڈگڈگی بجانے کا رواج اب چل نکلا ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت سے تو اس تاثر کی شدید حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ اللہ کریم ان لوگوں کو فہم سلیم عطا فرمائے۔

اس طرح جب ہمارے آقا ﷺ نے اپنے نظام اخلاق کا اعلان کیا تو یہ نہیں فرمایا کہ میں جو نظام اخلاق لایا ہوں وہ کوئی اور نہیں لے کر آیا بلکہ کتنا خوبصورت ارشاد گرامی ہے:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ[1]

مجھے اس لئے معبوث کیا گیا کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کروں یعنی نظام اخلاق کا تسلسل مجھ سے پہلے انبیاء سے چلا آرہا ہے۔ اب میں اس کو مکمل کرنے آیا ہوں اور اس پر مہر لگانے آیا ہوں۔ اس حدیث پاک سے بھی یہ درس ملتا ہے کہ تم دین کی جو کوشش بھی کرو اس میں اپنی انفرادیت اور علیحدگی قائم کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اس ملت بیضاء کے اندر رہتے ہوئے اپنی خدمات پیش کرو۔ لیکن یہاں اب ہر شخص اپنا اپنا راگ الاپ رہا ہے۔ دین ایک ہے اس کی طرف بلانے والے داعی سب اپنی اپنی بند گلی میں لے جا کر عوام الناس کو چھوڑ رہے ہیں اور عوام الناس بھولے بھالے سیدھے سادھے ہر کسی کے دام تزویر میں گرفتار ہو کر خوشی خوشی عاشق ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔

بیداری شعور کی ضرورت ہے کہ پہلے ان داعیان اسلام سے کہو کہ جناب آپ ذرا کسی ایک پلیٹ فارم پر جمع تو ہو لیں۔ پھر ہمیں آواز دیں آپ تو اس ملت اسلامیہ کا شیرازہ مزید منتشر کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ پھر دور حاضر کے جتنے بھی داعیان ہیں ہر کسی کی زبان سے طعن و تشنیع اور فتووں کی گولہ باری مسلسل جاری ہے بڑی بڑی بھاری گالیاں بھی دی جارہی ہیں اور سب کچھ خدمت اسلام اور عشق کے نام پر کیا جارہا ہے میں آخر میں حضرت امام مالک کا یہ قول ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جو دور حاضر کے ان رویوں کا عکاس ہے فرمایا:

إذا رأيت رجلاً يقول : أنا أدافع عن الحق ثم يسب و يشم فاعلم أنه معلول النية، فالحق لايحتاج لذٰلک ؛ لأن الحق سبحانه و تعالىٰ يقول : وجادلهم بالتي هي أحسن[1].

[1]۔ طبقات ابن سعد، ۲۱۵/۳، الإصابة في تمييز الصحابة ۱۵۲/۱ .

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ حق کا دفاع کرنے کا دعویٰ کرتے ہوئے گالیاں نکال رہا ہے اور سب و شتم کر رہا ہے تو جان لو کہ اس کی نیت میں فتور ہے۔ کیونکہ حق اتنا واضح اور شفاف ہے کہ اسے اس فتنہ بازی کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ اللہ رب العزت حق تعالیٰ نے فرمایا: اختلاف بھی کرو اور بحث و مباحثہ بھی کرو تو احسن طریقے سے کرو۔

واللہ اعلم بالصواب

منابع

۱. قرآن کریم

۲. ابن کثیر، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي ، تفسير القرآن العظيم، دار طيبة للنشر والتوزيع،طبع ثانيه ١٩٩٩ء

۳. مختصرصحيح البخارى محمّد بن اسماعيل كتاب احاديث الانبياء ص٦٧٥ مكتبه دارالسلام رياض سعودى عرب

۴. رواه أبو داود في سننه في الطهارة، باب في المتيمم يجد الماء بعدما يُصلي في الوقت، برقم: ٣٣٨، واللَّفظ له، ونحوه النَّسائي في الغسل والتيمم، باب التيمم لمن يَجد الماء بعد الصلاة، (٢١٣/١) .

۵. القشيرى، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحيح، ابواب البر والصلةٗ طبع محمّد بن على واولادهٗ، مصر، ١٣٣٤ھ

[1] صحیح البخاری، برقم: ۳۵۳۴. صحیح مسلم: ۲۲۸۶.